

اے حمید کا ادبی سفر

روبینہ رشید

ABSTRACT:

A-Hameed occupies prominent position in Urdu literature . His contribution in this regard is timeless and will be remembered for years especially he has remarkable work in Urdu prose . His contribution in fictional prose is writing Novels , Short stories , Dramas , whereas in non fictional prose he wrote Humour , Stair , Columns , Criticisms and Sketch writing is also remarkable. This Article is focussed on the life of A-Hameed and his work in Urdu literature.

برصغیر پاک و ہند میں اردو کے کئی نامور ناول نگار، ڈرامہ نگار، انشاء پرداز، کالم نویس اور خاکہ نگار پیدا ہوئے جنہوں نے مقدور بھر اردو کے ادبی خزانے میں اضافہ کیا۔ انہی میں سے ایک اہم نام اے حمید کا ہے۔ اے حمید اردو ادب کا وہ درخشندہ ستارہ ہیں جنہیں اردو پڑھنے والے شاید کبھی فراموش نہ کر سکیں۔

اے حمید کے والد کا تعلق میر خاندان اور والدہ کا تعلق بٹ برادری سے تھا۔ لیکن وہ بذاتِ خود ذاتِ پات کے چکروں سے آزاد رہنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ نہ تو میر لکھنا پسند کرتے تھے نہ بٹ۔ انہیں اپنے لئے صرف اے حمید نام پسند تھا۔

اے حمید ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عبد الحمید تھا لیکن وہ اے حمید لکھتے تھے۔ وہ اپنی پیدائش کے متعلق ”نوائے وقت“ میں لکھتے ہیں:

”میں بنیادی طور پر شہر کا رہنے والا ہوں۔ جس کا تمدن علم و ثقافت کی دولت سے مالا مال تھا۔ ایک متوسط کشمیری گھرانے میں پیدا ہوا“ (۱)

۱۸۵۷ء سے پہلے ان کے آباؤ اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے امرتسر آباد ہو گئے تھے۔ کشمیر میں ان کے پردادا احد شاہ شالوں کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کے بیٹے مولا بخش یعنی اے حمید کے دادا بھی اپنے والد کے کاروبار میں شریک تھے۔ اے حمید کے والد خلیفہ عبد العزیز نے بھی اپنے والد اور دادا کے کاروبار کو اپنی روزی کا ذریعہ بنایا۔ اس کے علاوہ انہیں پہلوانی کا بھی بہت شوق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار اس وقت کے مشہور پہلوانوں میں ہوتا تھا۔ وہ امرتسر کے اکھاڑے میں پہلوانی کیا کرتے تھے۔ تعلیم واجبی سی تھی اور ادب سے بھی کوئی لگاؤ نہ تھا۔ وہ اپنی پہلوانی کا شوق اے حمید کو بھی منتقل کرنا چاہتے تھے۔ انتظار حسین اپنی کتاب ”ملاقاتیں“ میں لکھتے ہیں:

”خلیفہ عبد العزیز امرتسر والے خود بڑے پہلوان تھے، بیٹے کو پہلوان بنانے کے درپے تھے۔“ (۲)

اے حمید کی والدہ سردار بیگم ادبی ذوق کی مالک تھیں۔ وہ امرتسر میں پیدا ہوئی تھیں۔ بہت سخت مزاج خاتون تھیں۔ تعلیم کم تھی لیکن ادبی ذوق کی وجہ سے وہ ادبی کتابیں پڑھا کرتی تھیں۔ جن میں

سر فہرست”۔ انقلاب ترکی“۔ تھا۔ ان کے والدین سخت مزاج تھے۔ اپنے ہاتھوں سے کمانے اور پہلوانی کرنے والا باپ اور سخت گیر والدہ انہیں سونے کا نوالہ دیتے اور شیر کی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ لیکن ان کے دل میں اپنے والدین کے لیے کبھی نفرت پیدا نہیں ہوئی۔

اے حمید کے نو بہن بھائی تھے۔ چھ بہنیں اور تین بھائی۔ اے حمید کو اپنے چھوٹے بھائی مقصود احمد سے بہت پیار تھا۔ وہ انہیں ”آرٹسٹ بھائی“ اور ”گریٹ بھائی“ کہتے تھے۔ یہ بہت محنتی تھے۔ جوانی ہی میں انہیں کینسر کا مرض لاحق ہو گیا اور وفات پا گئے۔

اے حمید بچپن ہی سے بہت شرارتی اور پڑھائی سے بھاگنے والے تھے۔ وہ اپنی ابتدائی تعلیم اور اس دور کی شرارتوں کے متعلق کہتے ہیں:

”میں نے چوتھی جماعت محلہ کے مشن اسکول میں پاس کی تو مجھے ایم اے او ہائی سکول میں داخل کروایا گیا۔ اسکول کی چھٹی ہوئی کشادہ ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی میرا دل اداس ہو گیا۔ اسکول بچپن ہی سے میرے ایسی چار دیواری ہوا کرتی تھی جس کے اندر مجھے ایک خاص وقت کے واسطے بند کر دیا جاتا اور جہاں ہر آدھ پونے گھنٹے کے بعد میری پٹائی شروع ہو جاتی۔ میں پڑھائی میں نکما نہیں تھا۔ پٹائی اس لیے ہوتی کہ میں شرارتیں بہت کرتا تھا۔“ (۳)

بچپن میں وہ اپنی بہن سرور بیگم کے ساتھ رنگون گئے تھے۔ جب دوسری جنگ عظیم کے آثار نظر آنے لگے تو بہن نے اپنے شوہر کی وساطت سے ان کو بحری جہاز کے ذریعے برما اور پھر وہاں سے پاکستان بھیج دیا۔ مسرور آپا اے حمید کی وہ بہادر بہن تھی جو دوسری جنگ عظیم کے دوران رنگون سے ننگے پاؤں پیدل چالیس دن تک جنگلوں میں پھرتی پھراتی انگریزوں کی ٹرینوں کے ذریعے ہندوستان پہنچی تھی۔ اس کے بعد اے حمید نے نویں جماعت میں داخلہ لیا۔ میٹرک کے دوران وہ نصابی کتابوں کے علاوہ غیر نصابی کتابوں میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ وہ اکثر لائبریری میں جا کر رسالے اور کتابیں پڑھتے تھے۔ اس بارے میں میم سین بٹ لکھتے ہیں:

”اے حمید کو لڑکپن ہی سے میونسپلٹی کے ریڈنگ روم میں بیٹھ کر ادبی کتب و رسائل پڑھنے اور ادیب، مصور وغیرہ بننے کا شوق تھا۔ مگر ان کے والد خلیفہ عبد العزیز چونکہ خود پہلوان تھے، اس لیے لڑکپن کے زمانے میں اے حمید کو اپنے والد کے نادر شاہی حکم کی تعمیل میں روزانہ سردائی پی کر ورزش کرنے کے لیے تکیہ پیر شیخ چلی یا تکیہ سرو رکے اکھاڑے میں تو جانا ہی پڑتا تھا مگر اپنی ذہنی تسکین کے لیے انہوں نے ساتھ ہی چائے اور سگریٹ کا استعمال اور ادب کا گہرا مطالعہ بھی جاری رکھا۔“ (۴)

اے حمید کی طبیعت میں بچپن ہی سے بے چینی اور اضطراب کوٹ کوٹ کر بھراتھا۔ وہ پڑھائی کے دوران اکثر سکول سے بھاگ جاتے اور ان کا نام خارج کر دیا جاتا۔ واپسی پر اساتذہ اور والدین سے پٹائی ہوتی۔ تھا۔ ان کی بے چین طبیعت انہیں متحرک رکھتی تھی۔ وہ ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے والے نہ تھے۔ ایسے ماحول سے اکتا جاتے تھے۔

اے حمید کو بچپن میں انہینمیں خراد کا کام سیکھنے اور پیئر بننے کا شوق تھا۔ علاوہ ازیں فلمی ایکٹر بننے کا شوق بھی رکھتے تھے۔ انہیں فطری مناظر سے زیادہ دلچسپی تھی اور رومانوی ادیبوں

کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ فطرت پسندی کی وجہ سے طبیعت بے چین رہتی۔ اسی وجہ سے اکثر گھر سے بھاگ جاتے اور فطرت کے مناظر میں گم ہو جاتے۔ اسی طبیعت کی وجہ سے انہوں نے بار بار سکول چھوڑے یا کہیں سے نکالے گئے۔ اس دوران انہوں نے کئی سکول بدلے تب کہیں جا کر انیس سال کی عمر میں میٹرک پاس کیا۔ پڑھائی کے دوران انہوں نے مطالعہ خوب کیا۔ کرشن چندر ان کے پسندیدہ افسانہ نگار تھے۔ میٹرک کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ ملازمت بھی کی۔ ان کے والد صاحب نے انہیں ریلوے ہیڈ کوارٹر لاہور میں کلرک بھرتی کروادیا۔ ساتھ ایف اے میں داخلہ دلوا دیا۔ پہلا سال مکمل ہونے کے بعد وہ ملازمت اور تعلیم سے تنگ آ کر سری لنکا بھاگ گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد رنگون چلے گئے۔ انتظار حسین لکھتے ہیں:

”اے حمید رنگون سے واپس ہوا تو تقسیم ہو چکی تھی۔ امرتسر جل رہا تھا۔ اے حمید لاہور پہنچا اور یہاں اسے ایک لڑکی نظر آگئی۔ اس مرتبہ اس نے ڈائری نہیں لکھی۔ افسانہ لکھا۔ ”منزل منزل“ اے حمید کا پہلا افسانہ ہے جو چھپا اور مقبول ہوا۔“ (۵)

تقسیم ہند کے بعد لاہور میں مختلف شہروں کرشن نگر، شاہدرہ اور فیض آباد میں رہے لیکن آخر میں سمن آباد میں رہائش اختیار کی۔ یہاں انہوں نے باقاعدہ ملازمت نہیں کی لیکن ہجرت کے بعد وہ ریڈیو پاکستان لاہور سے وابستہ ہوئے۔ یہ ملازمت انہوں نے ”تقریب کچھ تو بہتر ملاقات چاہئے“ پروگرام کے ذریعے قبول کر لی تاکہ ان کا اپنے دوستوں کے ساتھ تعلق قائم رہے۔ یہ اپنے وقت کامشہور پروگرام تھا۔ اے حمید لکھتے ہیں:

”ہم لوگ اس بات میں خوش تھے کہ روز شاعر، ادیب دوستوں سے ملاقات ہو جاتی۔ کینیڈین میں بیٹھ کر اکھٹے چائے پیتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، باغیچے مینکھلے ہوئے گلاب کے پھولوں کے قریب جا کر دیکھتے ہیں۔“ (۶)

عاشق مزاج ہونے کی وجہ سے عشق و محبت کے کئی حادثے پیش آئے جو اکثر ناکام رہے عشق میں ناکامی کی وجہ سے بھی وہ کئی بار گھر سے بھاگے۔ وہ اس بارے میں کہتے ہیں:

”جب اختر کی شادہوئی تو میں ساری رات پھرتا رہا، آوارہ گردی کرتا رہا۔ پھر جب راشدہ کی شادی ہوئی تو بھی مینا آوارہ پھرتا رہا۔“ (۷)

اے حمید نے شادی بھی پسند سے کی۔ انہیں ریحانہ نام کی ایک لڑکی سے بھی عشق ہوا۔ جولاءِ ۱۹۵۴ میں رہتی تھی۔ یہ خاتون اے حمید کے افسانے پڑھ کر ان پر عاشق ہو گئی تھی۔ یہ عشق دو طرفہ تھا اور شادی سے پہلے کئی سالوں تک برقرار رہا۔ ریحانہ مغل خاندان کی لڑکی تھی اور اے حمید کشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اس لیے اس شادی کے لیے کوئی راضی نہ تھا۔ ریحانہ کے گھر والوں کو اس بات پر اعتراض تھا کہ یہ نکما ہے جو ان کی بیٹی کو کبھی خوش نہیں رکھ سکے گا۔

احمد ندیم قاسمی کو اے حمید اور ریحانہ کے کئی سالوں کے عشق کا پتہ تھا۔ وہ ریحانہ کے والد صاحب کے پاس سفارش لے کر گئے کہ اے حمید اچھا لڑکا ہے۔ پیسے کماتا ہے۔ آخر کار بڑوں کی کوششوں سے ان دونوں کا باہم زوجیت کا رشتہ طے پا گیا۔ اس طرح ۱۹۵۴ء میں اے حمید کا آخری عشق کامیاب رہا جو بقول اے حمید کے روز بروز بڑھتا گیا۔

ریحانہ سے ان کے دو بچے ہوئے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا بڑا تھاجس کا نام مسعود حمید ہے جو ایک آرٹسٹ ہے۔ وہ اپنے باپ کی طرح لفظوں کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ برش اور رنگوں کا دیوانہ ہے۔ لڑکی چھوٹی تھی جس کا نام لالہ رخ تھا۔ لالہ رخ نے کمپیوٹر سائنس میں ماسٹر کیا ہے اور اب کراچی سٹی بینک میں ملازمت کرتی ہے۔ اے حمید اپنے بچوں کے بارے میں کہتے ہیں:

”لڑکا مسعود N.A.C میں لیکچرر ہے۔ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ یہ آرٹسٹ ہے۔ پینٹنگز بناتا ہے۔ جب کہ بیٹی لالہ رخ امریکا میرے ساتھ گئی تھی۔ ہم چار پانچ سال تک وہاں رہے ہیں۔ اس نے کمپیوٹر میں پروگرامنگ کی اور سٹی بینک میں ملازم ہو گئی۔ وہ کمپیوٹر پروگرامر ہے اور اس کا خاوند بھی سٹی بینک میں ہے۔“ (۸)

اے حمید کا حافظہ بہت تیز تھا۔ انہوں نے گھر بیٹھے بے شمار ناول، افسانے اور ڈرامے لکھے۔ ان کا تخیل کمال کا تھا۔ وہ قاری کو بیٹھے بیٹھے دنیا کی سیر کروا دیتے۔ ان کو خوبصورت چیزیں پسند تھیں۔ فطرت سے خاص لگاؤ تھا۔ ان کی فطرت پسندی کے بارے میں حکیم اختر کہتے ہیں:

”اے حمید کی ساری کتابیں رومان، حسرت، مسرت، ہجر و وصال، خوشی اور نامرادی سے عبارت ہیں۔ ان سب میں ایک محبت کرنے والے کا دل دھڑکتا ہے جو پھولوں، بھونروں، شہد کی مکھیوں، درختوں، پانیوں، ہواؤں، بہار، خزاں، چمکیلی دھوپ اور برف سے محبت کرتا ہے۔“ (۹)

اے حمید کی ادبی زندگی کا آغاز ”منزل منزل“ افسانہ لکھ کر کیا اور اس کے بعد ان کا قلم نہ رکا افسانے لکھ کر انہوں نے اس میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اس دوران وہ ادب لطیف سے وابستہ ہوئے۔ وہاں ان کے دوست عارف عبد المتین اور احمد راہی تھے جو انہیں کہتے تھے کہ حمدی یار! تم ڈائری لکھتے ہو۔ ادب کی طرف تمہارا رجحان ہے تم کچھ لکھتے کیوں نہیں ہو۔ ان کے کہنے پر ان کا رجحان لکھنے کی طرف ہو گیا۔ اے حمید اپنے ادبی سفر کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں:

”میں اصل میں پینٹر بننا چاہتا تھا یا خراد کا اکام سیکھنا چاہتا تھا جو مجھے بچپن میں ہی بڑا اچھا لگتا تھا۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اپنی پہلی محبت کا زخم کھانے کے بعد میں نے اس کا افسانہ بنا ڈالا اور اپنے دوست اور اس زمانے میں ”ادب لطیف“ کے ایڈیٹر عارف عبد المتین کے کہنے پر اسے ’ادب لطیف‘ کے سالنامے میں چھپنے کے لیے دے دیا۔“ (۱۰)

جنوری ۱۹۴۸ء کے سالنامہ ادب لطیف میں ان کا پہلا افسانہ ”منزل منزل“ شائع ہوا۔ افسانہ چھپتے ہی وہ نوجوان طبقے میں بطور افسانہ نگار معروف ہو گئے۔ انہوں نے ناول نگاری کا آغاز بھی ۱۹۴۸ء سے کیا اور پہلا نال ”ڈربے“ لکھا۔ اس کے بعد ان کا قلم دوڑتا چلا گیا۔ اس طرح انہوں نے مختلف نثری اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر جگہ اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔

اے حمید کا پہلا افسانوی مجموعہ ”منزل منزل“ ۱۹۵۰ء میں لاہور سے شائع ہوا جس میں دس افسانے شامل تھے۔ دوسرا افسانوی مجموعہ ”خزاں کا گیت“ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا جس میں آٹھ افسانے شامل تھے۔ تیسرا مجموعہ ”کچھ یادیں، کچھ آنسو“ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں نو افسانے شامل ہیں۔ چوتھا افسانوی مجموعہ ”مٹی کی مونا لیزا“ ۱۹۶۰ء میں چھپا۔ اس مجموعے میں محبت کے موضوع پر سترہ افسانے لکھے۔ پانچواں افسانوی مجموعہ ”زرد گلاب“ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں

سات افسانے ہیں۔ اس مجموعے میں زرد گلاب ایک ناولٹ ہے۔ باقی چھ افسانے ہیں۔ ان افسانوں کے موضوعات میں محبت، فطرت، بھوک، مزاح، ماضی کی یاد، غربت، مفلسی، حقیقت نگاری، فطرت اور شہری و دیہاتی زندگی کا موازنہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔

اے حمید ناول کے فن کو بھی ثروت مند بنانے میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ انہوں نے سو (۱۰۰) سے زیادہ ناول لکھے بیجن میں زندگی کی سچی اور تلخ حقیقت کو مثبت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں معاشرے کے اتار چڑھاؤ، مایوسی و ناامیدی اصلاح اور ہجرت کے موضوعات نمایاں ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد اس معاشرے میں جس قسم کے مسائل نے جنم لیا اور وہ مسلسل ابھر کر سامنے آئے۔ ان مسائل کو نہایت خوبصورتی سے اپنے ناولوں کے ذریعے پیش کیا۔ رومانی ناولوں میں خاص طور پر نوجوان طبقے کے جذبات و احساسات کی خوب ترجمانی کی ہے۔ ان کے نمائندہ ناولوں میں ڈربے، جنگل روتے ہیں، جھیل اور کنول، یورپ کی ہوا، برف باری کی رات، جہاں برف گرتی ہے، گلاب کی ٹہنی، بارش میں جدائی، پھول گرتے ہیں، پیلا اداس چاند، جانے والا، ناریل کا پھول، آدھی رات کا شہر، اندھیرے کا سورج، خوشبو کا خواب، بہار کا آخری پھول، میرا دوست میرا دشمن، پھول اداس ہیں، بادبان کھول دو، بھارتی دہشت گرد، را کی سازش، ضرب مجاہد، جہاد مشن، کارگل کے شاہین، کمانڈو آپریشن، خفیہ مشن، یلغار مومن، کشمیر کے آتش فشاں، جہنم کے پجاری، بھیانک نگری، خزاں کی بارش دہشتاور گرد جاسوس شامل ہیں۔

اے حمید کی بچوں کے لیے لکھی گئی کئی کتابیں جو مختلف سیریز کی شکل میں لکھی گئی ہیں، ان میں عاطف سیریز، شرلک ہومز سیریز، ڈھاکہ ایڈونچر، خاتم طائی سیریز اور انسپکٹر شہر یار سیریز شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں کے لیے کچھ تاریخی کتابیں بھی لکھیں جن میں فاتح ہندوستان، فاتح سندھ، فاتح یروشلم، شیر بنگال، عادل بادشاہ، اور فاتح سومنات شامل ہیں۔ بچوں کے لیے سائنسی مہمات پر بھی کچھ ناول لکھے۔ اس کے علاوہ اے حمید کے تین سفر نامے بھی منظر عام پر آئے جن میں امریکا نو، لنکا سری لنکا اور لاہور سے لالیاں تک شامل ہیں۔ ان کی تخلیقات مینڈرامے بھی شامل ہیں جو بچوں کے لیے خاص طور پر لکھے گئے تھے اور ان کا موضوع جادو تھا۔ یہ ڈرامے پی ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ کیے گئے۔ جن میں عینک والا جن، ماریو اور شمپک شو مشہور ہیں۔ ادبی شخصیات پر لکھے گئے خاکوں کا مجموعہ ”چاند چہرے“ کے نام سے شائع ہوا۔ اسی طرح طنز و مزاح پر لکھی گئی کتابوں میں، قصہ آخری درویش کا، مرزا غالب رائل پارک میں، خانہ بدوش کے خطوط اور داستان غریب حمزہ شامل ہیں۔ اے حمید نے اپنے حالاتِ زندگی کی کچھ جھلکیاں ”لاہور کی یادیں“، یادان (پنجابی)، دیکھا لاہور شہر، امرتسر کی یادیں اور ابن انشامیں دی ہیں۔ ان کی تنقیدی کتابوں میں ”اردو نثر کی داستان“ اور ”اردو شعر کی داستان“ شامل ہیں۔ داستان اشفاق احمد کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے صحافت سے بھی رشتہ قائم رکھا اور زندگی کے آخری دم تک روزنامہ ”نوائے وقت“ لاہور کے جمعہ میگزین میں ”بارش سماوار خوش بو“ کے نام سے لکھتے رہے۔

اے حمید زندگی سے بہت پیار کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی یادوں کو مختلف افسانوی اور غیر افسانوی اصناف میں سمویا۔ خواہ وہ ناول کا میدان ہو، افسانہ، ڈراما، بچوں کا ادب، خاکہ نگاری ہو یا طنز و مزاح اور تحقیق و تنقید ہو۔ انہوں نے ہر جگہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اردو ادب کا یہ درخشندہ ستارہ بالآخر ۲۹ اپریل ۲۰۱۱ء کو ۸۷ سال کی عمر میں اس جہاں فانی سے رخصت ہوا۔

حوالہ جات:

- ۱) اے حمید، ”بارش سماساں خوشبو“، جمعہ میگزین، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۴ دسمبر ۱۹۹۲ء
- ۲) انتظار حسین، اے حمید، مشمولہ ملاقاتیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، نومبر ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۷
- ۳) ایضاً
- ۴) میم سین بٹ، ادبی صفحہ، روزنامہ پاکستان، لاہور، ہفت روزہ سنڈے میگزین، ص ۱۲
- ۵) انتظار حسین، ملاقاتیں، کتاب مذکور، ص ۱۵۹
- ۶) اے حمید، لاہور کی یادیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۱۳
- ۷) اے حمید، انٹرویو، مشمولہ اے حمید: حیات اور ادبی خدمات، مقالہ (غیر مطبوعہ)، جولائی ۲۰۰۴ء، ص ۳۵
- ۸) ایضاً، ص ۴۵
- ۹) کلیم اختر، ”استفسار از اے حمید“، مشمولہ چاند چہرے لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۹۹ء، ص ۵۱۱
- ۱۰) اے حمید، ”بارش سماواں خوشبو“، جمعہ میگزین، روزنامہ نوائے وقت، لاہور: ۳ جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۲۳

/...../